نواب سید صدیق حسن خان اور ان کا سفر نامۂ حج

(۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء ..... ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)

"رحلة الصديق إلى البيت العتيق"

پروفیسر محمد اجتباء ندوی

(شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر نئی دہلی)

حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ کا سفر ایک مسلمان اور صاحب ایمان کی سب سے بڑی آرزو اور تمنا ہے۔ یہ سفر تڑپ، بے قراری اور ذوق و شوق سے بھرپور بھی ہوتا ہے اور امیدوں و خوابوں کے سایوں میں بھی اس شیریں نغمہ کی گنگناہٹ محسوس ہوتی ہے:

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید

کعبہ مطہرہ کی عظمت اور روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے عشق و جذبہ، مستی عشق، شیفتگی و وارفتگی کے پرکشش، دلآویز اور ایمان افروز مناظر و جلوے حرمین شریفین کے ان تمام سفر ناموں میں نمایاں طور پر دل کے لیے سرور اور آنکھوں کے لیے نور ہیں جو مختلف زبانوں میں رقم کیے گئے ہیں۔ سیمینار کے وقت کی تنگ دامانی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کی مثالیں پیش کی جائیں، صرف اپنے موضوع سے متعلق مختصر طور سے ایک ایسے سفر نامۂ حج کا تذکرہ کیا جائے گا جس میں وہ جذبہ بھی ہے، روح بھی ہے، شوق و ذوق بھی ہے، وارفتگی و شیفتگی اور عشق و مستی کے ساتھ عقل و ہوش، احترام و تکریم اور شریعت و عقیدہ کی پاکیزگی، سیرت و کردار کی استقامت کا قابل تقلید اور لائق تحسین اسوہ و نمونہ بھی ہے۔ یہ سفر نامۂ برصغیر ہندوپاک کے اس عظیم، عبقری اور نادرۂ روزگار شخصیت نواب سید صدیق

حسن خاں نے رقم کیا ہے جس نے قرآن و حدیث، فقہ و اصول، زبان و ادب اور اعجاز و بلاغت کے کتب خانوں کو تین زبانوں، عربی، فارسی اور اردو میں کتابیں تصنیف کر کے بے بہا ذخیرہ سے مالا مال کیا ہے، سفر نامۂ عربی زبان میں ہے اور اس کا عنوان "رحلة الصديق إلى البيت العتيق" (صدیق کا سفر بیتِ عتیق تک) ہے

نواب صاحب کی شخصیت جس عہد کی یادگار ہے وہ دور تاریخ کا نہایت پر آشوب و پر فتن دور تھا۔ ہندوستان، سیاسی، سماجی، علمی، فکری، دینی اخلاقی اور سبھی میدانوں میں سخت ترین ابتلاء و آزمائش سے دوچار تھا۔

مسلمانوں کی حکومت ہندوستان سے ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ انگریزی سامراجیت نے لے لی تھی، جو دل و جان سے اس بات کی خواہاں تھی کہ اسلامی تمدن، اسلامی افکار و اقدار اور وطن دوستی کی طرف رہنمائی کرنے اور روشنی دکھانے والے باقی ماندہ نقوش بھی حرف غلط کی طرح جلد از جلد ناپید ہوں۔ دوسری طرف خود دینی حلقوں کے باہمی اختلافات نے اسلامی تنظیموں، دینی جماعتوں اور خصوصاً فقہی مسالک کے درمیان منافرت اور عداوت کی حد تک کشیدگی پیدا کر دی تھی، نتیجۃً علوم و فنون کا ارتقاء بے جان و بے حرکت سا ہو کر رہ گیا تھا، اور علمی و تہذیبی اور تمدنی زندگی کی گاڑی اگر ٹھپ نہیں تو بری طرح پسماندگی کا شکار ہو گئی تھی۔

بلا شبہ نواب صدیق حسن خان کا نام (۱۸۳۲۔۱۸۹۰ء) انیسویں صدی عیسوی کے مشہور ہندوستانی محققین اور چوٹی کے علماء میں سر فہرست ہے، جنہوں نے اسلامی علوم اور خصوصاً تفسیر قرآن و حدیث نبوی کی عظیم و جلیل اور نا قابل فراموش خدمات انجام دیں، ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کی بھی انہوں نے بے پناہ خدمت کی۔ ان کے تمام کارناموں میں ان کا اپنا رنگ و آہنگ، ذہانت، خداداد صلاحیت، گہرا مطالعہ، اور فکر سلیم اپنی جھلکیاں دکھائے بغیر نہیں رہتا۔

نواب سید صدیق حسن خان، خاندان حسینی کے چشم و چراغ تھے، دین و دعوت اور علم و دانش کی خدمت اس خاندان کو ہندوستان لے آئی اور اس کے ایک بزرگ شیخ جلال

سوم نے بہلول شاہ لودھی (۱۴۵۱ء۔۱۴۸۸ء) کے اصرار پر دہلی اور پھر قنوج میں سکونت اختیار کی اور اسکے ایک محلہ (شیخوپورہ) کو انکے جانشینوں نے اپنی علمی' دینی اور عام دعوتی و اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

نواب صاحب کے والد بزرگوار مولانا سید اولاد حسین جلیل القدر عالم' خدا ترس بزرگ اور خانوادہ ولی اللہی سے فیض یافتہ تھے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت و خلافت کا تعلق تھا' ان کے بارے میں علامہ حکیم سید عبدالحی حسنیؒ رقم طراز ہیں:

"حضرت مولانا سید اولاد حسن بن علی بن لطفؒ" حسینی' بخاری' قنوجی شیخ جلال الدین حسینی بخاری کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۲۱۰ھ میں قنوج میں پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالباسط قنوجی سے ایک زمانہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے پھر لکھنو چلے گئے جہاں مولانا نورالحق بن انوار الحق لکھنوی سے بیشتر کتابیں پڑھیں اور عرصۂ دراز تک ان کی صحبت میں رہے۔ اس کے بعد دہلی منتقل ہوئے' یہاں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نامور فرزند و حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے کسب فیض کیا۔ سید احمد شہید رائے بریلویؒ کی صحبت میں رہے' ان سے بیعت بھی ہوئے اور راہ حق میں انکے ساتھ جہاد کرتے رہے اور دعوت دین کے کاموں میں ان کے معاون اور خلیفہ مجاز قرار پائے' حصول خلافت کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے۔

نواب سید صدیق حسن صاحب ابھی پانچ سال کے تھے کہ اس مخلص' مشفق اور اللہ والے عالم والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ محترمہ نے جو ایک ممتاز عالم' مفتی اور پہلی تحریک آزادی کے نامور مجاہد کی صاحب زادی تھیں اور تقوی' صلاح اور تربیتی امور میں طاق اور ضرب المثل تھیں' اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اسی تربیت کے نتیجہ میں نواب صاحب عمر بھر دینی فرائض کی ادائیگی میں چاق و چوبند رہے اور منصب و اقتدار اور عزت و شہرت کے بلند و بالا مقام پر فائز ہونے کے بعد کبھی بھی آپ کے عقیدہ و مسلک اور عمومی دینی روش میں سر مو فرق نہ آیا۔

سید صاحب نے قنوج کے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر کانپور و فرخ آباد کے مدرسوں میں پڑھنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خانوادہ اور مفتی صدر الدین آزردہ سے استفادہ کیا۔ حدیث نبوی کی تعلیم شیخ زین العابدین بن محسن یمانی اور امام شعرانیؒ کے شاگرد شیخ عبدالحق بنارسی محدث ہندیؒ (متوفی بمقام منی ۱۳۸۶ھ / ۱۸۶۹ء) سے حاصل کی۔ دہلی کے دینی، علمی اور شعری و ادبی مجلسوں سے بہت فائدہ اٹھایا اور ان مجلسوں کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور انہیں یاد کر کے جھوم جھوم اٹھتے اور گنگناتے:

سقیٰ الله وقتا کنت اخلو بوجهكم
و ثغری الهوی فی روضة الانس ضاحک
قمنامعًا و العیون قریرة
و اصبحت یوما و الجنون مواکب

("یادش بخیر وہ زمانہ کہ جب ہمیں تمہاری ہم نشینی میسر تھی اور جب باغ الفت میں عشق کی باچھیں کھل رہی تھیں، ایک زمانہ تک ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں اور ہنسی خوشی سے قیام پذیر رہے، لیکن آج یہ حال ہو گیا ہے کہ اپنا سوز دوروں ہویدا ہے")

دہلی سے واپسی کے بعد چند ماہ قنوج میں قیام رہا، لیکن گھریلو ذمہ داری اور تلاش معاش کے لیے اپنے ایک پڑوسی محمدی کے مشورہ سے ریاست بھوپال کا رخ کیا، جس کی علم نوازی کا بڑا شہرہ تھا۔ اس وقت ریاست کے مدار المہام منشی جمال الدین تھے۔ انکی سفارش سے بھوپال کی تاریخ نویسی کے محکمہ میں تقرر ہو گیا۔ ایک مختصر مدت کے ابتلاء و آزمائش کے بعد اپنی محنت، لیاقت اور ایمان داری و دینداری کی بنا پر ترقیوں کی منزلیں طے کرتے چلے گئے اور بالآخر والیہ بھوپال نواب شاہ جہاں بیگم کی عقد ثانی کے لیے نواب صاحب پر نظر انتخاب پڑی۔ منصب، جاہ اور خطابات سے نوازے گئے نواب شاہ جہاں بیگم علم و علماء کی بڑی قدر دان تھیں، ان کے انتظاموں سے ریاست میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے گئے۔

نواب صاحب کے زمانہ میں حج و زیارت کا ہندوستان میں عام رواج نہیں ہوا تھا' حضرت سید احمد شہیدؒ کے حج کے بعد مسلمانوں میں ہمت و عزم اور اس فریضہ کی ادائیگی کا احساس بیدار ہو گیا تھا اور سفر حج ہو رہا تھا۔ نواب صاحب اپنی سرکاری و علمی ذمہ داریوں کی وجہ سے باوجود شوق و بے قراری کے جلد سفر نہ کر سکے' لیکن ان کے دل میں حرمین شریفین کے روحانی و علمی جھونکوں سے کسب فیض کرنے کا شوق بے پایاں تھا۔ وہ وہاں کی دینی و علمی کتابوں کے حصول اور نوادر سے استفادہ کے بھی شیدائی تھے' چنانچہ وہ اپنی کتاب " رحلة الصديق إ الى البيت العتيق" کے مقدمہ میں اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں' ترجمہ ملاحظہ ہو :

"میں نے بحر محیط (انڈین اوشن) مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' (اللہ تعالیٰ ان دونوں کے شرف و عظمت میں اضافہ فرمائے) کی خواب میں بارہا زیارت کی' میں نے ایک شب میں دیکھا کہ میں سمندر میں رواں دواں ہوں' سفر مکمل ہوا اور مکہ پہنچ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک خالی جگہ میں پایا جس میں بہت ہی شاندار ستون اور عظیم الشان کھمبے ہیں اور میں انہیں کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں۔ مسجد حرام کی شکل یہی ہے۔ دوسری بار میں نے دیکھا کہ میں مکہ کی وادیوں اور بازاروں میں گھوم پھر رہا ہوں' اور اس کی گلیوں میں آجا رہا ہوں' اس کی تعمیر عمدہ اور دوکانیں' آباد شہروں کی طرح بارونق ہیں' مکہ شریف کی کیفیت بالکل اسی جیسی ہے۔

میں نے مدینہ منورہ کو بھی دیکھا' جیسے کہ وہ ایک پرانا شہر ہے' اس کی دیواریں خستہ و کہنہ ہیں اور عمارتیں مٹی و گارے سے بنی ہوئی ہیں' اس کی گلیاں تنگ اور غیر آباد ہیں' لوگ بہت کم چل پھر رہے ہیں' جب مجھے ۱۲۸۵ھ میں اس کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا۔

اس خواب نے میرے شوق و ذوق اور شیفتگی و وارفتگی میں
اضافہ کر دیا اور اسی سال بلد امین اور مسجد سیدنا محمد سید المرسلین صلی
اللہ علیہ وسلم کے سفر و زیارت کا عزم کر لیا۔ یہی حج و عمرہ کے مناسک
کتاب و سنت کے مطابق ترتیب دینے کا سبب بنا اور میری اس کتاب کی
تصنیف کا باعث بھی ہوا۔"

نواب صدیق حسن خان صاحب چونکہ کتاب و سنت کا گہرا علم رکھتے تھے اور ان کی زندگی بھی اسی کے مطابق تھی' اور بڑی پابندی سے اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں کے پہلو بہ پہلو فرائض و واجبات کو ادا کرتے تھے' اس لیے پانچویں فریضہ کی ادائیگی کے لیے بے چین تھے۔ چنانچہ وہ ۲۷ر شعبان ۱۲۸۵ھ بروز شنبہ ریاست سے چھٹی لے کر بھوپال سے حج کے لیے روانہ ہوئے اور آٹھ ماہ میں بادبانی کشتی کے ذریعہ اس سفر کی تکمیل کی' جس میں انہیں شدید ترین پریشانیوں' دشواریوں' الجھنوں' مخالف ہواؤں' طوفانوں اور موت و زیست کی کشمکش کے ساتھ علمی' فکری و دینی اور دعوتی چیلنجوں کا بھی سامنا کرنا پڑا' جس کا تذکرہ نواب صاحب نے بڑے دکھ اور درد سے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔

نواب صاحب اپنی للّٰہیت' پرہیزگاری' دینداری' علم پروری' ریاست کی ترقی' فلاح و بہبود اور اپنی منصبی ذمہ داریوں کی مکمل دیانت و امانت سے ادائیگی کے ساتھ ساتھ بڑے پایہ کے مصنف اور مترجم بھی تھے' اور اس فریضۂ و شوق کو وہ ہمہ وقت اور ہر حال میں جاری رکھتے تھے ان کا سفر نامۂ حج کی روداد کے ساتھ' حج و عمرہ کے مسائل و مناسک کتاب و سنت کے مطابق تحریروں' تنقیدوں اور تصحیحات پر مشتمل ہے' بلکہ کتاب کا بیشتر حصہ اسی سے متعلق ہے جس کا مختصر جائزہ آئندہ صفحات میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

نواب صدیق حسن صاحب کا سفر نامۂ عربی زبان میں ہے' میرے سامنے اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء ہے جسے معروف علم پرور اور کتاب نواز خانوادہ کے لائق فرزند جناب عبدالحکیم شرف الدین صاحب نے حواشی و تصحیح کے بعد عمدہ کاغذ و طباعت و غلاف کے ساتھ شائع کیا ہے کل صفحات ۱۲۶ ہیں' کتاب کے بارے میں عبدالحکیم شرف الدین

صاحب تحریر کرتے ہیں:

وهذه الرسالة تاليف الشيخ ابو الطيب السيد محمد صديق بن حسن بن على لطف الله الحسينى البخارى القنوجى، وتحتوى على مسائل هامة فيمايتعلق بامرالمسلمين و ذلك عام ١٢٨٥ھ وفى ذلك التاريخ كانت رحلة الشيخ بالسفينة الشراعيه من بومباى إلى جدة، وصادف أن نزل بالحديدة فى طريقه ذهابا و ايابا، ولقداستغرق سفره ثمانية أشهر من يوم أن غادر بهوپال إلى أن عاد اليها.

والرسالة تحتوى ايضا على مايتعلق بالحج والعمرة و زيارة المسجد النبوى مستدلاً بالكتاب والسنة، ومشيرا إلى تلك البدع الشائعة انذاك فى تلك البلاد، وقد رد عليها فى رسالته متمنياً إزالتها والقضاء عليها.

وفى آخر هذه الرسالة ذكر المؤلف رحلة وما حدث له فيها"

("ص ١٦٧_١٧٦")(١)

(یہ رسالہ مولانا ابوالطیب سید محمد صدیق بن حسن بن علی لطف اللہ حسینی بخاری قنوجی کی تصنیف ہے۔

مسلمانوں سے متعلق مسائل پر مشتمل ہے، جو ۱۲۸۵ھ میں پیش آئے اور اسی تاریخ کو مولانا کا سفر حج بادبانی کشتی کے ذریعہ بمبئی سے جدہ تک ہوا تھا، اتفاق سے آمد و رفت کے وقت وہ "حدیدہ" میں اترے، ان کا یہ سفر آٹھ ماہ میں پورا ہوا۔ رسالہ میں حج و عمرہ اور مسجد نبوی کی زیارت سے متعلق مسائل و احکام کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں، اس ملک کے عوام میں پھیلی ہوئی بدعتوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ان کی تردید بھی کی ہے اور ان کے ازالہ کی خواہش و آرزو کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں مصنف نے اپنے سفر حج اور اس دوران میں جو واقعات و حوادث پیش آئے تھے ان کا تذکرہ صفحہ ۱۶۷ سے ۱۷۶ میں کیا ہے)

نواب صدیق حسن صاحب کی جملہ ۵۶ عربی تصنیفات کی طرح اس رسالہ کی بھی

زبان سادہ، رواں، شگفتہ اور سلیس ہے، تصنع، تکلف، مسجع و مرصع جملوں اور عبارت آرائیوں سے پاک و صاف ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ عرب انشاء پرداز و مصنف ابھی اس اسلوب و طرز نگارش کے عادی نہیں ہوے تھے بلکہ قاضی فاضل، بدیع الزماں ہمدانی اور ابوالقاسم حریری کی جادو بیان، پر تکلف اور پر شکوہ تعبیروں اور تحریروں سے قلم و قرطاس مسحور تھے۔

نواب صاحب کی نظر کعبہ شریف پر پڑتی ہے تو انہیں جس شرف و سعادت کا احساس ہوتا ہے اسے بے تکلف اور سادہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ومن اول نظرة وقعت إلى جمال الكعبة المكرمة "ذهلنا" عن مصائب السفر و مشاقة كلها كانمالم نشك بشوكة فى الطريق، وهكذاشأن كل بشوق وصديق، كيف والكعبة الزهراء زادهاالله ضياء وسناء يا قوتة كحلية تحلو بصائرأعين الصلحاء، مجلوة للناظرين من حلة من الكرامة سوداء۔"(۲)

(کعبہ مشرفہ کی نور افشاں، ضوء فشاں، پر رونق و جمال آراء "باوقار و عظیم عمارت پر پہلی نظر پڑتے ہی سفر کی تمام مشقتیں پریشانیاں، دشواریاں اور مصیبتیں ذہن سے ایسی نکل گئیں گویا راہ میں کوئی کانٹا بھی نہ چبھا ہو، یہ کیفیت تو ہر دوست اور مشتاق دید کی ہوتی ہے، چہ جائیکہ بارونق و مرکز تجلیات کعبہ مکرمہ اللہ تعالیٰ اس کی نور افشانیوں و ضیاء پاشیوں میں اضافہ فرمائے وہ تو زیور تابدار کے اس ہیرے کے مانند ہے جو صالحین کی نگاہوں کو روشنی عطا کرتا ہے اور اس کا قابل صد احترام سیاہ غلاف ناظرین کے لیے سرمہ چشم بنتا ہے)

نواب صاحب کی بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی مسرت و شادمانی، تعظیم و تکریم اور خوش نصیبی و مستی اس وجہ سے اور بھی دوبالا ہو گئی تھی کہ جدہ پہنچے سے قبل ان کی بادبانی کشتی گہرے سمندر کے ایک ایسے پہاڑ سے ٹکرانے سے بال بال بچ گئی، جسے عین وقت پر ملاح

کی دور بین نگاہ نے دیکھ لیا اور بڑی مہارت سے کشتی کو اس جان لیوا خطرے سے بچا لیا تھا۔ نواب صاحب نے اپنے سحر انگیز قلم سے اس کا بڑا پر اثر نقشہ کھینچا ہے اور جدہ بعافیت پہنچ جانے اور منزل مقصود کے قریب ہونے پر جس بے پایاں مسرت کا اظہار کیا ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"والذی حصل لنا من مسرة القلب و اشراق الوجه والحبور' اذذلك لایعلم حقائقها إلاالعلیم بذات الصدور و کیف؟فقد ظهرت صورة المراد بعد شهرین غب الیأس' و کنانقول: یارب الناس! أقم سفینتنا علی جدة کما استوت سفینة نوح علیه السلام علی الجودی' فلیس ذلك علی فضلك المجدی"(۱)

(جدہ پہنچتے ہی ہمارے دل کی کلی کھل اٹھی' اور چہرہ مسرت و شادمانی سے چمک اٹھا جس کی حقیقت کا علم صرف دلوں کے اندر کی کیفیات جاننے والی علیم و خبیر ذات ہی کو ہے' اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ دو ماہ کی ہلاکت خیز مایوسی کے بعد منزلِ مقصود آنکھوں کے سامنے تھی' ہم اس دوران میں بارگاہ الٰہی میں عرض کناں رہے کہ اے انسانوں کے پالنہار! ہمارے سفینہ کو ساحل جدہ اسی طرح پہنچا دے "جس طرح تو نے سفینہء نوح علیہ السلام کو جودی پہاڑ پر" پہنچا دیا تھا' یہ تیرے ابدی فیض اور عظیم فضل کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے)"

نواب صاحب نے اپنے اس سفر میں پیش آنے والے واقعات و حوادث اور جدہ سے مکہ مکرمہ اور پھر حج کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے راستہ میں دشواریوں' تکلیفوں اور ساربانوں کی زیادتیوں اور ستم رانیوں کا تذکرہ بڑے مؤثر اور دل لرزا دینے والے مؤثر اور اشک آور اسلوب میں کیا ہے' مگر شکایت اور کبیدگی کا ایک حرف بھی نہیں ہے' ساربانوں کی شر پسندی اور بدنیتی کی وجہ سے وہ خلاف معمول ۱۲ روز کے بجائے بیس دنوں میں مدینہ منورہ پہنچے' جذب و شوق دلوں کو تڑپاتا اور آنکھوں کو رلاتا رہا' مگر اس شہر آرزو اور مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوتے ہی ایسا لگا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ مدینہ منورہ کے قیام اور وہاں کے معمولات خود انہیں کے الفاظ میں پیش ہیں:

"واتفقت الاقامة بهذه البلدة الى اسبو ع' وتيسر لى" حضور المسجد النبو ى والسلام على المرقد المنور المصطفو ى و اصحابه' وزيارة بقيع وشهداء احد' سيما سيدالشهداء حمزه رضى الله تعالى عنه' وغيره ذلك من المساجد والآبار خصوصا مسجد قباء على الوجه الماثور المسنون' فياما من بلدة طيبة ملئت بأنواع البركات وآثار الرحمة وانوار من التجليات' كيف والأنوار الالهيه والبركات النبوية تترشح من جدرا نها والسكينة والوقار تتنزل كل حين على بنيانها"(۱)

(اس مبارک شہر میں ایک ہفتہ قیام کی سعادت حاصل ہوئی مسجد نبوی میں حاضری اور پرنور مصطفوی روضۂ اطہر اور ان کے صحابہؓ کے مزاروں سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ جنت بقیع' احد کے شہیدوں' خاص طور سے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' اور دیگر مسجدوں' کنوؤں' خصوصا مسجد قباء میں سنت کے مطابق حاضری اور نفل ادا کرنے کا موقع میسر آیا' کیا ہی خوب ہے' یہ پر فضاء شہر جو برکتوں ورحمتوں سے مالامال اور تجلیات کے انوار سے بارونق ہے' یہ کیوں نہ ہو جبکہ انوار الٰہی اور برکات نبوی اس کے درودیوار پر سے عیاں و نمایاں ہیں' ہمہ وقت اور ہر لحظہ اس سرزمین پاک میں رحمت وسکینیت' وقار وطمانیت کا نزول ہوتا ہے)۔

نواب سید صدیق حسن خاں نے اپنے اس سفر میں کچھ کتاب وسنت کے خلاف اعمال وافعال کا مشاہدہ کیا تو اس پر افسوس کے ساتھ تنقید کی اور اہل حرمین شریفین اور حجاج کرام کو بڑی حکمت' ودانائی' پند وموعظت اور سوز ودرد کے ساتھ اس جانب توجہ دلائی ہے۔ ان کی کتاب کا بیشتر حصہ غالبًا اسی بنا پر مسائل حج' مناسک واحکام اور حرمین شریفین کے فضائل ومناقب اور آداب پر مشتمل ہے۔ اس جیسے چند ایک سفرنامے اور بھی تحریر کے گئے ہیں' جن میں شیخ شنقیطی کی کتاب کی بھی اہمیت ہے' لیکن نواب صاحب کی پوری

کتاب اور خصوصاً روداد سفر دوسرے مصنفین کے برعکس اپنے اسلوب بیان 'ادبی جمال' سفر حج کی کیفیات' جذب و شوق' ذوق و مستی' دلفریبی و دلآویزی اور سحر انگیزی میں ادب عربی کا ایک شہ پارہ اور زبان پر ملکہ و قدرت کا شاہکار ہے۔

نواب صاحب بھوپال واپس آگئے حرمین شریفین کی برکتوں ورحمتوں اور نغمات قدسیہ سے فیض حاصل کرنے کے باوصف اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لیے بہت سی نادر کتابیں نقل بھی کر کے لائے اور خریدیں بھی۔ جسم و قالب بھوپال واپس ضرور پہنچ گیا' مگر دل نظر جوار بیت اللہ اور روضہ اطہر ہی کے قریب ہی رہ گیا' سفر نامہ کے آخری الفاظ گوش گار فرمالیں:

"ونحن الذى مقيمون "بهوبال ء إلى ماشاء الله المتعال' والرجاء من ربنا ذى الجلال يتيسر المقام على الدوام إلى وقت الحمام "بيت الله الحرام أوبمدينة خيرالانام عليه الصلاة والسلام' وباالله التوفيق وهوالهادى وأقوم طريق"(۱)

(ہم اس وقت اور جب تک اللہ برتر و اعلیٰ چاہے' بھوپال میں قیام پذیر ہیں اور پروردگار اعلیٰ مقام سے امید رکھتے ہیں کہ وہ دنیا سے کوچ کرنے کے وقت بیت اللہ پاک یا برگزیدہ و خلق خدا کی سب سے بہتر ہستی علیہ السلام کے شہر میں مستقل سکونت کی سہولت فرمادے 'اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا اور وہی صحیح راہ پر گامزن کرنے والا ہے)":

تمنا ہے تیرے روضہ کی دیواروں پر جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا"